مولانا حسن الدین صاحب ہاشمی
انچارج شعبۂ تبلیغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبلیغ اسلام

مقصد — اور — طریق کار

کسی مسلمان کا یہ سمجھ بیٹھنا کہ وہ چند مخصوص عبادات سرانجام دے لینے کے بعد اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جاتا ہے کسی طرح بھی درست نہیں، کیونکہ خدا کا بھیجا ہوا دینِ اسلام زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہے، اور اس کا تقاضا ہے کہ حیات انسانی کا ہر لمحہ خدا کی رضا و خوشنودی کے مطابق گزرنا چاہیئے، یہ نہیں کہ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے بس پانچ مرتبہ چند لمحے اللہ کی رضا کے لئے صرف کردئے جائیں اور باقی سارا وقت خدا کی ہدایت سے بغاوت میں گزرے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَ اَمْوَالَہُمْ بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ ۔ القرآن۔ — یعنی اللہ نے اپنی رضا و خوشنودی (جنت) کے عوض اہل ایمان کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں۔

لہٰذا ایک مسلمان کی زندگی کی کوئی ساعت اور اس کے مال کا کوئی ذرہ رضائے خداوندی کے خلاف صرف نہیں ہونا چاہیئے، کیونکہ وہ عبد ہے اور اس کی عبدیت زندگی کی ہر گھڑی میں یکساں طور پر ہے۔ جس طرح وہ مسجد میں سربسجود ہوتے وقت خدا کا عبد ہے، اسی طرح بازاروں میں چلتے وقت، کرسیٔ عدالت پر بیٹھتے وقت اور تخت حکومت پر متمکن ہوتے وقت بھی وہ اللہ کا عبد ہے۔ عبادت محض نماز، روزے اور حج، زکوٰۃ ہی کا نام نہیں، بلکہ خدا کی ہدایت کے مطابق زندگی کا جو کام بھی کیا جائے وہ عبادت ہے۔ ناپ تول میں دیانت داری، چلنے پھرنے اور دیکھنے سننے میں شرافت، کردار و گفتار میں تہذیب اور اسی طرح تمام دوسرے اسلامی احکام پر عمل پیرائی سب عبادت ہیں۔

ان احکام کی بجاآوری میں خود ہمارا ہی فائدہ ہے۔ اللہ پر کوئی احسان نہیں۔ اگر ان چیزوں کو ترک کریں گے تو خدا کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اپنا ہی کچھ بگاڑیں گے۔

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَہُمْ یَظْلِمُوْنَ ۔ القرآن — ان بدکاروں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا اپنی ہی جانوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں

یہ تو درست ہے کہ اسلامی تعلیمات انسانی فلاح وبہبود ہی کے لیے ہیں مگر یہ انفرادی فلاح میں منحصر نہیں بلکہ انفرادی واجتماعی دونوں قسم کی فلاح وبہبود پر مشتمل ہیں، محض انفرادی فلاح اسلام کے نزدیک ہرگز مطلوب نہیں، اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے لَا رَھبانیۃ فی الاسلام (اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں)۔

رہبانیت یہی تو ہوتی ہے کہ ترک دنیا کرکے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا اور خود اپنی فلاح ونجات کی خاطر عمر بھر کے لئے غاروں، جنگلوں یا پہاڑوں میں جا بسیرا کرنا۔ اسلام میں اس قسم کے ترک دنیا کی کوئی گنجائش نہیں، بلکہ اس کے نزدیک تو بہترین آدمی وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے، خیر الناس من ینفع الناس۔ الحدیث (بہترین انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کو نفع پہنچائے)۔ اسلام نے جہاں مسلمانوں کے باہمی بھائی چارے کے متعلق اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ القرآن (بے شک سب مومن آپس میں بھائی ہیں) ۔ وہاں یہ بھی فرمایا کہ اے مسلمانو! زبان رسالت نے تمہیں جن صداقتوں سے بہرہ ور کرکے فلاح ونجات کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے تم انہیں دوسروں تک بھی پہنچاؤ، تاکہ وہ بھی اللہ کی اس عظیم نعمت کو حاصل کرسکیں جو تمہیں حاصل ہوئی ہے۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ	تم ایک بہترین امت ہو جسے لوگوں کے نفع کی خاطر ظاہر
بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔ القرآن۔	کیا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔

نیکی کے حکم اور برائی سے منع کرنے کا ہر مسلمان اپنی وسعت کے مطابق مکلف ہے۔ جو جس قدر علم رکھتا ہے وہ اس کے مطابق اپنے فرض کی بجاآوری کرے، کسی کو گالی دیتے سنے تو منع کرے، جھوٹ سے روکے، بڑوں کی بےادبی سے باز رکھے، ظلم سے روکے، ناپ تول میں کمی کرنے سے منع کرے، سچ بولنے، تہذیب وشرافت اختیار کرنے، ماں باپ کا ادب کرنے، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم وتکریم کی تلقین کرے۔

جماعت مبلغین :-

تبلیغ اسلام کے مقدس کام کو ہر مسلمان اس خواہش کے باوجود کہ زیادہ سے زیادہ انسان فلاح ونجات کی راہ پر چلنے لگیں ــــ مشن کی حیثیت سے اختیار نہیں کرسکتا کہ وہ شب وروز اسی میں محو رہے، کیونکہ اس طرح زندگی کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، اسی لئے دانائے ازل نے ہر فرد کو تبلیغ بحیثیت مشن کا مکلف نہیں بنایا۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ جس طرح زندگی کی دوسری ضروریات میں سے ہر ضرورت تب ہی صحیح اور مکمل طور پر پوری ہوسکتی ہے جب کہ ایک جماعت اسی کی ہوجائے، اسی طرح تبلیغ بھی اسی وقت صحیح، مکمل اور کامیاب طور پر ہوسکتی ہے، جب کہ ایک جماعت اسی کی ہو رہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَ	اور تم میں ایک ایسی جماعت ضرور ہونی چاہیئے جو لوگوں

يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ - القرآن-

کو بھلائی کی طرف بلائے اور برائی سے روکے، یہی فوز و فلاح والے ہیں -

یہ جماعت مبلغین ہمیشہ کے لئے یا ایک خاص مدت کے لئے باقی کام چھوڑ کر صرف تبلیغ میں مصروف رہے، ان کی معاشی کفالت اسلامی مرکز (اسلامی حکومت) کرے - جیساکہ دور نبوت اور دور خلافت راشدہ میں ہوتا رہا ہے - افسوس کہ خلافت راشدہ کے بعد جب دور ملوکیت شروع ہوا تو آہستہ آہستہ دین اور دنیا میں تفریق پیدا ہونی شروع ہوگئی کبھی اس کی رفتار میں نرمی پیدا ہو جاتی اور کبھی شدت - یہانتک کہ تبلیغ اسلام کا کام مرکز نے چھوڑ دیا اور کچھ درد دل رکھنے والے مسلمان انفرادی طور پر اور چھوٹی چھوٹی نجی تنظیموں کے ذریعے یہ مقدس فریضہ سرانجام دینے لگے - اب نظم مملکت صرف معاشی و معاشرتی امور ہی سے متعلق ہو کر رہ گیا، تبلیغ سے اس کا تعلق نہ رہا - یہ طرز عمل کسی طرح بھی درست نہیں کہا جا سکتا اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ جس طرح وہ ڈاکٹروں، انجنیئروں، قانون دانوں، فوجی سپاہیوں اور آفیسروں وغیرہ کی جماعتیں تیار کرتی ہے اسی طرح مبلغین اسلام کی جماعت بھی تیار کرے - اور جس طرح حکومت دوسرے متعدد شعبوں کو سرکاری شعبہ کہتی ہے اسی طرح شعبۂ تبلیغ کو بھی ایک اہم سرکاری شعبے کی حیثیت حاصل ہونی چاہیئے -

اب وقت آگیا ہے کہ دین و دنیا کی اس تفریق کو جو دور ملوکیت کی پیداوار ہے یکسر ختم کر دیا جائے اور اسلام کو پھر سے ایک مکمل ضابطۂ حیات کی حیثیت سے اختیار کیا جائے جو زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہو، کوئی شعبہ بھی اس کے احاطے سے باہر نہ ہو - کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے -

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا - القرآن -

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور اسلام کو تمہارے لئے ضابطۂ حیات کے طور پر پسند کیا۔

جب دین ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے تو زندگی کا کوئی شعبہ اس سے کیسے باہر رہ سکتا ہے -

تبلیغ کا مقصد :-

جس طرح حقیقت انسانیت نے تمام انسانوں میں موجود ہو کر انہیں ایک وحدت میں پرو دیا ہے اسی طرح اس کے کچھ خواص، ضروریات اور میلانات ہیں جو ہر اس فرد میں موجود ہوتے ہیں جسے انسان کہا جاتا ہے لیکن ماحول اور معاشرے کا اختلاف ان امور کی مختلف شکلیں پیدا کر دیتا ہے - اس اختلاف کا اثر ان نظاموں پر بھی پڑتا ہے جنہیں مفکرین، انسانی فلاح و بہبود کے لئے وضع کرتے ہیں - نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر نظام ایک مخصوص ماحول کے گرد گھومتا رہتا ہے، اور وہاں کچھ عرصے کیلئے کامیاب بھی ہو جاتا ہے مگر دوسرے ماحول میں وہ بالکل ٹھیک نہیں بیٹھتا، اور اگر اسے زبردستی ٹھونس بھی دیا جائے تو بہت جلدی اُسے بستر بوریا اٹھا لینا پڑتا ہے -

صرف وہ نظام ہر دور کے تمام انسانوں کے لئے کامیاب ہو سکتا ہے جو ایسے بنیادی اصول دے جو ہر ماحول اور ہر زمانے میں مختلف اور جداگانہ نوعیت کی ضرورتوں اور تقاضوں پر پورے اتر سکیں، ان اصولوں کی روح ہر ماحول اور ہر زمانے میں یکساں طور پر قائم رہے۔ اگرچہ وقت کے تقاضوں کے سبب ان کی عملی شکلیں بدلتی رہیں۔

ایسے اصول اسی وقت دئے جا سکتے ہیں جب کہ انسانی فطرت سے پورے طور پر آگاہی ہو اور اس فطرت کے ذاتی اور عارضی تقاضے الگ الگ طور پر معلوم ہو جائیں۔ تاکہ ذاتی تقاضوں کے لئے ابدی اصول قائم کئے جائیں، اور عارضی تقاضوں کے لئے وقتی۔ مگر انسانوں کو سائنسی طور پر اس فطرت سے پوری طرح آگاہ ہونے کے لئے ابھی شائد سینکڑوں برس کا انتظار کرنا پڑے۔ کیونکہ ابھی تک تو ہمارے مفکرین اس بات کو بھی طے نہیں کر سکے کہ انسانی فطرت بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ اگر ایک طرف سے یہ آواز آتی ہے کہ انسانی فطرت بھی ایک حقیقت ہے تو دوسری طرف سے یہ صدا بلند ہوتی ہے کہ انسانی فطرت کوئی چیز نہیں۔ چھ برس کی عمر سے پہلے پہلے بچے میں جو رجحان پیدا کر دو اسی کو اختیار کر لے گا۔ بحیثیت انسان اس کا کوئی طبعی اور ذاتی رجحان نہیں ہوتا۔

جب اس بیسویں صدی کے مفکرین کی یہ حالت ہے تو ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ انسانی فطرت سے ہم آہنگ کوئی ضابطۂ حیات پیش کر سکیں گے، ایک کھلی ہوئی خام خیالی ہے، یہیں سے انسان مجبور ہو کر وحی کی رہنمائی کا طلبگار ہوتا ہے، کیونکہ ہماری ضرورتیں تو اپنی جگہ پر قائم ہیں اور عقل ان کے لئے ابدی اصول پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ایسی حالت میں کسی ایسی حقیقت کی طرف رجوع ناگزیر ہو جاتا ہے جو یہ ضرورت پوری کر سکے۔ وہ حقیقت "وحی" ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حضرت خاتم النبیین پر نازل کیا اور صاف لفظوں میں اس کے متعلق فرما دیا کہ یہ دین فطرت ہے۔

فِطْرَتَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ القرآن۔ — یہ دین فطرت ہے جس پر اللہ نے انسانوں کی تخلیق فرمائی۔

اسی کا نام اسلام ہے اور یہی سچا ضابطۂ حیات ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامِ۔ القرآن۔ — اللہ کے ہاں سچا اور مقبول دین صرف اسلام ہی ہے۔

اس سچے ضابطۂ حیات کے علاوہ جو ضابطہ بھی اختیار کیا گیا وہ خدا کی بارگاہ میں بھی اور انسانوں کی سلیم طبیعتوں کے نزدیک بھی نامقبول رہے گا۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ۔ القرآن — اور جس نے اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کیا وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

خدا تعالیٰ نے بالکل واضح طور پر ارشاد فرما دیا ہے کہ اگر انسانی ضرورتوں کو کوئی دین پورا کر سکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہے اس کے سوا کوئی بھی نظریۂ حیات فطرت کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا، اور طبائع سلیمہ کے ہاں مقبولیت نہیں پا سکتا۔

تبلیغ دین سے یہی مقصد ہے کہ اس دین فطرت کو جو انسانی فطرت سے ہم آہنگ، ہر دور میں اور ہر ماحول میں رہنما اور تمام تقاضوں پر پورا اترنے والا ہے، ہر انسان کے سامنے پیش کر کے زیادہ سے زیادہ انسانوں کو راہ فلاح و نجات

پر گامزن کیا جائے۔ یہ دین انسانوں کے لئے اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ کس قدر محروم ہے وہ شخص جو اس نعمت سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔

اسلام کی عدل گستری اور رحمت آفرینی محض کوئی فلسفیانہ نظریہ نہیں بلکہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی اسلام کو ایک ضابطۂ حیات کی صورت میں اختیار کیا گیا، فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی نے قدم چومے۔

دَورِ حاضر کے انسانیت کُش نظاموں کی سفاکیوں کے پیشِ نظر اس زمانے میں تبلیغ اسلام کی ضرورت بے حد بڑھ چکی ہے۔ اگر امن عالم قائم رکھنا ہے، دنیا کو ایٹمی شعلوں سے بچانا ہے، استحصال کو روکنا ہے، معیار زندگی میں ترقی دوسروں کی لاشوں پر نہیں بلکہ جائز طریقوں سے پیدا کرنی ہے، روح کو اطمینان بخشنا ہے، دنیوی اور اخروی فلاح حاصل کرنی ہے تو اس کا واحد ذریعہ اسلامی ضابطۂ حیات پر عمل کرنا ہے۔

تبلیغ اسلام جہاں غیر مسلموں میں ضروری ہے وہاں خود مسلمانوں میں بھی ناگزیر ہے کیونکہ بعض دیگر مذاہب کے زیر اثر اس دین فطرت کو بھی محض چند عقائد اور چند رسوم کا مجموعہ سمجھ لیا گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ خود مسلمانوں کو بھی اس کی اصلی حیثیت سے آگاہ کیا جائے اور بتایا جائے کہ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی مسائل کو ایک وحدت میں پرو کر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے مطابق ان کا حل پیش کرتا ہے، اس کے نزدیک زندگی کے تمام شعبے اعتقادی ہوں یا عباداتی، معاشی ہوں یا معاشرتی پھر انفرادی ہوں یا اجتماعی اپنی اپنی جگہ سب انتہائی اہم ہیں۔

مبلغ کے اوصاف :۔

تبلیغ کا اثر آفرینی اور کامیابی کے لئے مبلغ میں چند اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) متحمل مزاج ہونا۔ کیونکہ جس طرح لوگ استعداد و صلاحیت اور علم و فہم میں مختلف ہوتے ہیں اسی طرح مزاج، اخلاق اور گفتار و کردار میں بھی جداگانہ نوعیت رکھتے ہیں۔ اس لئے ہر وہ شخص جو تبلیغ جیسے اہم فریضے کی ادائیگی کا عزم رکھتا ہے اُسے یہ سوچ لینا چاہئے کہ دورانِ تبلیغ اُسے مختلف اشخاص سے واسطہ پڑے گا، جہاں سمجھ داروں سے تبادلۂ خیالات ہوگا، وہاں کم فہموں کو بھی کچھ سمجھانا پڑے گا۔ اور جس طرح بعض خوش اخلاق آدمی ملیں گے اسی طرح کچھ ایسے بھی ہوں گے جو اخلاق سے بہت گرے ہوئے ہوں گے، جن میں تہذیب، متانت اور شائستگی نام کو نہیں ہوگی۔ ایسے حالات میں صرف وہی مبلغ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے جو متحمل اور بردبار ہو۔

(۲) خوش اخلاقی مبلغ کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ بہت سے لوگ تبلیغ کرنے والے کی صرف خوش اخلاقی ہی کو دیکھ کر اسلام لے گردیدہ ہو جاتے ہیں، خوش اخلاقی جتنا اثر کرتی ہے بسا اوقات لمبے لمبے وعظ بھی اس قدر مؤثر ثابت نہیں ہوتے۔

(۳) مبلغ میں قوت فیصلہ کا ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ نائب پیغمبر کی حیثیت سے لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتا ہے۔ کس موقع پر کون سی بات موزوں ہوگی یہ فیصلہ کرنا مبلغ کا کام ہے۔ جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے سامنے آپ صدق کی اہمیت واضح فرماتے، بعض کے سامنے حیار کی، کبھی ادائے خمس کی، کبھی طہارت ونظافت کی، غرض کہ جیسا موقع ہوتا اس کے مطابق بات فرماتے۔ اسی طرح ہر مبلغ کو بھی موقع شناسی اور قوت فیصلہ کو بروئے کار لانا ہوگا تاکہ تبلیغ مؤثر بن سکے۔

(۴) مبلغ کو مستقل مزاج ہونا چاہیئے، تلوّن مزاجی تبلیغ میں سخت ناکامی کا باعث بنتی ہے۔ جب سوچ سمجھ کر ایک فیصلہ کر لیا جائے تو پھر اس پر قائم ہو جانا چاہیئے تاوقتیکہ اُسے تبدیل کرنے کا کوئی اہم باعث رونما نہ ہو جائے، ذرا ذراسی بات پر فیصلوں کی تبدیلی ناکامی کا دوسرا نام ہے۔

(۵) مبلغ کو زبان وبیان پر قدرت حاصل ہونی چاہیئے تاکہ لوگوں کے سامنے اپنے دل کی بات وضاحت سے بیان کر سکے۔

(۶) مبلغ کا مطالعہ وسیع ہونا چاہیئے، اسلامی تعلیمات کے مختلف گوشوں پر ہر وقت اس کی نظر رہنی چاہیئے تاکہ اگر قانون دانوں کو تبلیغ کرنی ہو تو ان کے سامنے اسلام کی قانونی حیثیت پیش کر سکے، معیشت دانوں کو اسلام کے بے نظیر معاشی نظام سے آگاہ کر سکے۔ اسی طرح اسلام کے نظام عقائد، نظام عبادات، نظام اخلاق وغیرہ پر گہری نظر ہونی چاہیئے، اس کے علاوہ دوسرے مذاہب کا مطالعہ بھی وسیع ہونا چاہیئے تاکہ اسلام کی خوبیوں کو زیادہ بہتر طور پر بیان کیا جا سکے۔

(۷) مبلغ کا اسلامی تعلیمات پر عامل ہونا لازمی ہے تاکہ اس کی زندگی تہذیب وشائستگی اور اچھے اخلاق کا ایک عمدہ نمونہ ہو جسے دیکھ کر مخاطب اپنے دل میں اسلام کی طرف کشش محسوس کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ عمل کی خاموش زبان اپنی انقلاب انگیزی میں مبلغ کی ناطق زبان سے کسی طرح بھی کم نہیں ہوتی۔

مخاطب اسلامی تعلیمات کی سچائی مبلغ کے بیان سے معلوم کرتا ہے مگر جب مبلغ کا عمل اس کے بیان کی تکذیب کر رہا ہو تو وہ ایسے بیان سے کیونکر اثر قبول کر سکتا ہے۔

اندازِ گفتگو :۔

تبلیغ کی کامیابی کے لئے مبلغ کا اندازِ گفتگو افہامی ہونا چاہیئے، بعض حضرات تبلیغ میں مناظرانہ انداز اختیار کر لیتے ہیں، اور ان کی پوری گفتگو سوال وجواب کا طومار بن جاتی ہے۔ اس انداز سے شاید مبلغ کے جذبات کی تسکین تو ہو جاتی ہو مگر مقصد فوت ہو جاتا ہے کیونکہ مخاطب سوال وجواب میں اُلجھ کر مزید سوالات کی طرف ذہن کو متوجہ کر لیتا ہے، اور جو حقیقت اُسے سمجھائی جا رہی ہوتی ہے اُسے اپنے ذہن میں ایک قابل قدر اور مستحق غور وفکر چیز کی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ ایک قابل اعتراض چیز کی حیثیت سے جگہ دیتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ اصل مقصد سے دور سے دور تر ہو جاتا ہے، اس لئے دوران

تبلیغ اپنا مقصد زیادہ سے زیادہ اثباتی انداز میں پیش کرنا چاہیئے، اور مخاطب کے ذہن میں جو ممکنہ شبہات پیدا ہو سکتے ہیں اُن کا ایسے انداز میں جواب پیش کرتے جانا چاہیئے کہ سننے والے کی طبیعت میں بحث و مباحثہ کی بجائے غور و فکر کا رجحان پیدا ہو۔

اگر کوئی مخاطب کسی بات کے متعلق استفسار کرے، تو پورے اطمینان و سکون اور متانت و سنجیدگی سے جواب دیا جائے، کوئی دل آزار لفظ نہ بولا جائے، سننے والے کی عزت نفس کو چیلنج نہ کیا جائے۔ اور اس بات کو پورے طور پر مدنظر رکھا جائے، کہ جواب واضح، جامع اور مختصر ہو، اندازِ گفتگو مخالفانہ کی بجائے مصالحانہ اور تردیدی کی بجائے تفہیمی ہو، جو جذبات کو اپیل کر سکے۔ اور استدلال جاندار ہو، تاکہ ذہن کو مطمئن کر سکے۔

مناظرہ بازی سے احتراز :-

مبلغ کو لوگوں سے الجھنے اور بحث و مباحثہ کرنے میں جہاں تک ہو سکے احتراز کرنا چاہیئے، کیونکہ اس سے فریق مخالف میں ضد اور تعصب کا جذبہ بیدار ہو کر اس کی فکری صلاحیتوں کو گہری نیند سلا دیتا ہے، جس سے وہ غور و فکر کی بجائے خواہ مخواہ کی نکتہ چینی میں لگ جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے مخالف مکتب فکر کی ہر بات خواہ کس قدر بھی صحیح ہو، دلائل پر پرکھنے کی بجائے محض اس سبب رد کر دیتا ہے کہ وہ دوسرے مکتبۂ فکر کی ہے۔ دوسرے مکتبۂ فکر کا نام ہی اس کے نزدیک ایک گالی بن جاتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص، مناظرہ و نکتہ چینی کے موڈ میں ہو، تو اُسے تبلیغ نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ کسی مناسب موقع کا انتظار کرنا چاہیئے

"وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ الانعام : ۶۸۔	جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں نکتہ چینی کر رہے ہیں، تو ان سے اعراض کرو، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات کی طرف متوجہ ہو جائیں"

اور اگر تبلیغ کے دوران کوئی مخاطب، مناظرہ بازی پر آمادہ ہو جائے، تو اس کے سامنے اپنا نصب العین پیش کر کے اس کو غور و فکر کی دعوت دینی چاہیئے۔ اور مباحثہ سے پہلو تہی کرنی چاہیئے، لیکن اگر حالات مجبور کر دیں تو پھر مناظرہ سے احتراز نہیں کرنا چاہیئے، تاہم اس کو پیشہ نہیں بنا لینا چاہیئے۔ کیونکہ۔ اس سے لوگوں کی نظر میں علمی مباحثے، تماشہ بن کر رہ جاتے ہیں، اور انہیں دیکھنے کے لئے جو لوگ آتے ہیں، ان کی اکثریت کسی سچی بات کو معلوم کرنے کے لئے نہیں، بلکہ محض تماشہ بینی کے لئے آتی ہے، اس سے جہاں اہلِ علم کی سبکی ہوتی ہے، وہاں وہ مسلک بھی لوگوں کی نظروں میں وقعت کھو بیٹھتا ہے، جس کی اشاعت و قبولیت مقصود ہوتی ہے۔

سننے والوں کی اکتاہٹ :-

تبلیغ کے دوران چند امور کا خاص خیال رکھنا چاہیئے، تاکہ مخاطب اکتا نہ جائے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بیان مختصر، مگر جامع

اور جامع ہو، طویل گفتگو سے مخاطب اکتا جاتا ہے، مبلغ تو اپنا ورد پورا کرتا رہتا ہے، مگر مخاطب کے کان سننے سے، ذہن غور کرنے اور دل قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اسی لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"ان طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبۃ مئنۃ من فقھہ، فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبۃ وان من البیان لسحراً"۔	"آدمی کی نماز کا طویل اور تقریر کا مختصر ہونا، اس کی سمجھ بوجھ کی نشانی ہوتی ہے، پس نماز کو طویل اور تقریر کو مختصر کرو، اور بعض بیان تو جادو ہوتے ہیں"۔ بخاری شریف۔

مبلغ کو مخاطب کا پیمانۂ صبر لبریز کر کے بیان ختم نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ اس میں مزید سننے کی خواہش موجود ہو کہ یہ اپنا بیان ختم کر دے۔

دوسرے اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ مخاطب اپنی کسی خاص دلچسپی میں محو نہ ہو، اس طرح کی تبلیغ، اُسے سخت متنفر کر دے گی۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔

"ولا الفینک تأتی القوم وھم فی حدیث من حدیثھم فتقص علیھم ولکن انصت فاذا امروک فحدثھم وھم یشتھونہ۔	میں تمہیں اس حالت میں ہرگز نہ پاؤں کہ تم کسی قوم کے پاس جاؤ اور وہ اپنی کسی بات میں مشغول ہوں اور تم اسی حالت میں انہیں وعظ سنانا شروع کر دو، بلکہ خاموش رہو، اور جب ان کی خواہش پاؤ، تو انہیں سناؤ، اور وہ رغبت سے سنیں"۔ بخاری شریف

بعض مبلغین کو دیکھا ہے کہ جہاں انہیں مجمع مل جائے وعظ کہنا شروع کر دیتے ہیں، اور یہ نہیں سوچتے، کہ یہ اجتماع اس وقت سننے کے موڈ میں ہے بھی یا نہیں، شادی کی محفل ہو، یا کھانے پر اجتماع، یا کوئی اور مجمع، بس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر تبلیغ شروع کر دی جاتی ہے، مگر اس تبلیغ کا بالکل الٹا نتیجہ نکلتا ہے، لوگ اس شخص سے سخت متنفر ہو جاتے ہیں، اور ان کی دلی بیزاری کسی بات کو ذہن تک پہنچنے نہیں دیتی، اسی طرح کسی قوم کو بغیر مناسب وقفوں کے ہر وقت تبلیغ نہیں کرتے رہنا چاہیئے، بلکہ اس قدر وقفہ رکھنا چاہیئے، جس میں ان کی طلب بڑھے، اور قلب و نظر تشنگی محسوس کریں۔

"عن شقیق قال کان عبد اللہ بن مسعود رض یذکر الناس فی کل خمیس فقال لہ رجل، یا ابا عبد الرحمٰن لوددت انک ذکرتنا فی کل یوم قال اما انہ یمنعنی من ذالک انی اکرہ انی املکم وانی اتخولکم بالموعظہ کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بھا	شقیق رض سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود ہر جمعرات لوگوں کے سامنے وعظ کیا کرتے تھے، ایک شخص نے آپ سے کہا، اے ابو عبدالرحمٰن، میری خواہش ہے کہ آپ ہر روز وعظ کیا کریں، آپ نے فرمایا، مجھے اس سے یہ خیال روکتا ہے کہ کہیں تم بیزار نہ ہو جاؤ، اور میں تمہیں اسی طرح وقفہ سے وعظ ونصیحت کرتا ہوں جسطرح کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وقفہ سے

مخافة السآمة علینا - متفق علیہ — وعظ فرمایا کرتے تھے اس اندیشہ سے کہ کہیں ہم اُکتا نہ جائیں -

اس طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے -

" عن عکرمہ انّ ابن عباس قال حدث الناس کل جمعة مرة ، فان ابیت فمرتین ، فان اکثرت فثلاثا ، ولا تمل الناس بھذا القرآن - — عکرمہ سے روایت ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ لوگوں کو ہر ہفتے میں ایک مرتبہ وعظ کیا کرو ، اگر زیادہ چاہو تو دو مرتبہ ، اور اس سے بھی زیادہ چاہو تو تین مرتبہ دیکھو ، لوگوں کو اس قرآن سے بیزار نہ کرو " بخاری شریف

مخاطب کے جذبات کی رعایت :-

تبلیغ کے دوران مخاطب کے مذہبی جذبات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے ، اس کے لئے چند باتوں کی رعائت ضروری ہے ، پہلی بات تو یہ ہے کہ مخاطب کو بھی اپنے عقیدے اور مذہب سے اتنی ہی وابستگی ہوتی ہے ، جتنی کہ خود تبلیغ کرنے والے کو اس لئے ان چیزوں کے متعلق تلخ الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں جو اس کے نزدیک قابلِ احترام ہیں ، اگرچہ اس کی وابستگی غلط ہی ہے ، مگر ان چیزوں کو برا بھلا کہنے سے اس کی جاہلانہ غیرت بھڑک اٹھتی ہے ، وہ بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دینے لگتا ہے -

" وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ - القرآن - — اور تم ان بتوں کو گالی نہ دو ، جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں ، کہ وہ حد سے گزر کر جہالت کے سبب ، اللہ کو گالیاں دینے لگیں (جیسے تمہیں اپنے اعمال عزیز ہیں) اسی طرح ہم نے ہر امت کے اعمال کو ان کی نظروں میں پسندیدہ بنایا "

گالی گلوچ سے ہمیشہ الٹا نتیجہ پیدا ہوتا ہے ، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہیئے ، اور پورا زور ان اسباب اور غلط فہمیوں کے زائل کرنے پر صرف کرنا چاہیئے جنہوں نے ناروا وابستگی کو پیدا کیا ہوا ہے ، دوسری بات یہ ہے کہ جن پیغمبروں کو مخاطب بہت معزز و برتر سمجھتا ہے ان کے اور اپنے ہادیٔ برحق کے درمیان ، افضلیت کی بحث میں نہیں پڑنا چاہیئے ، کیونکہ اصل ایمان کو سمجھ لینے کے بعد اس حقیقت کو سمجھ لینا اس کے لئے کوئی مشکل نہیں رہے گا ، مگر پہلے ہی قدم پر اُسے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الانبیاء ہونے کی تبلیغ شروع کر دی گئی ، تو اس سے اُس کی رگِ حمیت بھڑک اٹھے گی ، اور اس حقیقت کا قائل تو کیا ہوگا ، اصل اسلام سے ہی مزید دور ہو جائے گا - جب یہود و نصاریٰ کو تبلیغ کی جا رہی تھی تو حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ سے فرمایا تھا کہ " مجھے موسیٰ و یونس بن متی پر فضیلت نہ دو " اس میں تو شک نہیں کہ حضور علیہ السلام افضل الانبیاء ہیں مگر غیر مسلم کے ساتھ اس کی تبلیغ کا موقعہ ، اصل ایمان کو قبول کر لینے کے بعد آتا ہے ، اسی طرح مخاطب کو اس کی غلط وابستگی پر بُرا بھلا کہہ کر جذبات کو مشتعل کرنے والا انداز نہیں اختیار کرنا چاہیئے ، بلکہ نرم لہجے میں بات کرنی چاہیئے ، تاکہ وہ خود

سے سُنے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت موسیٰ ؑ اور ہارون ؑ سے فرمایا تھا۔

"اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى. فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا. لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى" — تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہوگیا ہے اور اسکے ساتھ نرمی کے ساتھ بات کرو تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے اور خدا سے ڈرے۔

مخاطب کی استعداد کا لحاظ :-

تبلیغ سے مقصود مخاطب کے سامنے اپنی علمیت کی دھاک بٹھانا نہیں ہوتا، بلکہ اس کے بھٹکے ہوئے ذہن کو ان نسبت افروز صداقتوں سے آشنا کرنا ہوتا ہے، تاکہ وہ اُن اندھیروں سے نکل آئے جن میں اُسے شیطان نے پھنسایا ہوا ہے اور اس نور کی طرف آجائے، جسے اُس کے خالق ومالک نے اپنی ذات تک رسائی کا ذریعہ بنا دیا ہے، جو مبلغ معمولی سمجھ بوجھ اور کم علم رکھنے والے مخاطب سے بھی دقیق فلسفیانہ گفتگو کرتے ہیں وہ خود انتہائی نا سمجھی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں، کم علم اور نا سمجھ لوگوں کے سامنے ہمیشہ سادہ اور واضح دلائل پیش کرنے چاہئیں، تاکہ اُن کے معانی تک وہ آسانی سے رسائی حاصل کر سکیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے ساتھ مکالمہ، مبلغین کے لئے بہترین راہنما ہے، نمرود ایک نا سمجھ اور کم علم انسان تھا، زمانہ کی ستم ظریفی نے اُسے تختِ حکومت پر بٹھا دیا تھا، اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے سامنے وجود باری تعالیٰ کے دقیق اور مشکل دلائل پیش کرتے، تو وہ مسلسل بڑبڑاتا رہتا، اس لئے آپ نے سادہ سی دلیل پیش کی "رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ" میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے"۔

مگر جب نمرود اس واضح دلیل کو بھی نہ سمجھ سکا، تو آپ نے اس دلیل پر زور دینے کی بجائے، اس سے بھی زیادہ واضح دلیل پیش فرمائی۔

"فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ" — (کہ) اللہ تو سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تم اُسے مغرب کی طرف سے طلوع کر دے"

اس دلیل کے مقابلے میں "فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ" نمرود بالکل مبہوت ہوگیا، اور اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی دلیل بھی بالکل صحیح تھی، مگر مخاطب کی استعداد، اس تک رسائی سے قاصر تھی، اس لئے آپ نے دوسری دلیل کی طرف رجوع کیا، جسے مخاطب نے بھی آسانی سے سمجھ لیا، اور اس سے اس کا کوئی جواب نہ ہوسکا، جس طرح کم علم اور نا سمجھ لوگوں کے سامنے مشکل اور پیچیدہ دلائل پیش کرنا مناسب نہیں ہوتا، اسی طرح ایسے لوگوں کے سامنے یک لخت تمام حقائق کا انکشاف بھی درست نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ چیز بسا اوقات عوام کی گمراہی اور بے دینی پر ڈٹے رہنے کا باعث بن جاتی ہے، اس لئے مبلغ کو چاہئے کہ دین کی وہ باتیں جو عام فہم اور مخاطب کے لئے پرکشش ہوں، سب سے پہلے انہیں ہی پیش کرے، اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ مخاطب دین سے زیادہ قریب ہو جائے گا، پھر بتدریج اُسے تمام تعلیماتِ اسلامی سے روشناس

کرایا جا سکے گا، یہی وہ وجہ تھی کہ قرآنِ مجید تھوڑا تھوڑا کرکے اُترا۔

"وَقُرْآنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَأَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا" — اور قرآن کو ہم نے تھوڑا کرکے اتارا، تاکہ آپ اُسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اُسے بڑی ہی حفاظت اور اہتمام سے اتارا۔"

تبلیغ اور تلوار میں یہی فرق ہوتا ہے کہ تلوار گردن کو جھکا دیتی ہے، مگر دل اس کی دسترس سے باہر رہتا ہے، اور تبلیغ دل کو جھکا دیتی ہے اور جب دل جھکتا ہے تو گردن بھی سرِ تسلیم خم کر دیتی ہے، لیکن یہ اسی وقت ہوتا ہے جبکہ تبلیغ، مخاطب کی عقل وفہم کے احاطہ سے باہر نہ ہو، حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

"كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ" — لوگوں سے ان کی سمجھ بوجھ کے مطابق کلام کرو۔"

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "لوگوں سے ان کی سمجھ بوجھ کے مطابق گفتگو کرو، اور مشکل حقائق یکلخت ان کے سامنے نہ بیان کرنے لگو۔" "أَتُحِبُّوْنَ أَنْ يُّكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ" "کیا تم یہ پسند کروگے کہ تمہاری ان باتوں کے ذریعے جو مخاطب کی عقل وفہم سے بلند ہیں، اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔"

تبلیغ کے مختلف طریقے:۔

ایک وہ دور تھا کہ ہر جگہ تبلیغ کے لئے خود چل کے جانا پڑتا تھا جس میں وقت بھی بہت صرف ہو جاتا، پھر بھی ہر ایک تک آواز نہ پہنچ سکتی تھی، مگر آج کے سائنسی دور نے بہت سی سہولتیں پیدا کر دی ہیں، جہاں سفر کے دوران وقت کی بچت ہوگئی ہے کہ ہفتوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے، وہاں کاغذ اور پریس کی سہولت نے تحریر کے کام کو بہت وسعت دے دی ہے، آج تبلیغ جہاں تقریر و بیان کے ذریعے ہوتی ہے، وہاں قلم کے ذریعے بھی ہوتی ہے۔ اس لئے مبلغ کو تقریر و تحریر دونوں طریقے اپنانے ہوں گے، پھر آج ریڈیو اور ٹیلیویژن نے مزید سہولت پیدا کر دی ہے، ریڈیو یا ٹیلیویژن کے سٹیشن میں بیٹھ کر دور دراز تک اپنی آواز ہر شخص تک پہنچائی جا سکتی ہے، اس لئے مبلغ کو اپنی تبلیغ کے دوران، تمام جدید ذرائع کو (شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے) ضرور اختیار کرنا ہوگا۔

بعض حضرات عجیب قسم کے سادہ واقع ہوئے ہیں کہ ریڈیو اور ٹیلیویژن کا نام آتے ہی کانوں پہ ہاتھ رکھنے لگتے ہیں اور فرماتے ہیں، توبہ کیجئے صاحب ہمارے سامنے تو ان کا نام نہ لیں، کئی حضرات کو بڑے فخریہ انداز میں یہ کہتے سنا کہ ہم نے اپنے گھر کو ریڈیو اور ٹیلیویژن کی ہوا بھی نہیں لگنے دی، ایسی خراب چیزوں سے ہمارا گھر بالکل محفوظ ہے۔ یہ انداز فکر کسی طرح بھی قابل تعریف نہیں، آجکل ریڈیو، ٹیلیویژن، زندگی کی ضروریات بنتے جا رہے ہیں، اور ان سے اپنے گھر کو محفوظ رکھنا، وقت کی ایک اہم ضرورت سے محروم رہنا ہے، دراصل ان چیزوں میں کوئی ذاتی عیب نہیں ہوتا، برائی کا پہلو غلط استعمال سے پیدا ہوتا ہے، آپ کو موسیقی سے نفرت ہے تو نہ سنئے، ریڈیو سے تلاوت قرآن، درس قرآن، نعت خوانی، تقریریں اور خبریں

بھی تو نشر ہوتی ہیں آپ وہی سن لیا کریں ۔

مجلسی و اجتماعی طریقوں سے استفادہ :

ہر دور میں لوگوں کا ایک خاص مزاج بن جاتا ہے ، اور تہذیبی و تمدنی اقدار ایک خاص رنگ اختیار کر لیتی ہیں ، اس مزاج اور رنگ کی رعایت کی جائے تو لوگ مانوس ہوتے ہیں اور اگر اس کا خیال نہ رکھا جائے تو لوگ متنفر ہو جاتے ہیں ۔
ہر دور کے لوگ تہذیبی اور تمدنی اقدار کی جس شکل کو عمومی طور پر اختیار کر لیتے ہیں مبلغ کو اس سے بدکنا نہیں چاہیے بلکہ ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیئے کہ وہ بھی اسی دور کا ایک فرد ہے ، جس نے اپنی تہذیبی عبا کا رنگ بدل لیا ہے ، اور یہ عبا جس طرح دوسروں کے لئے باعث افتخار ہے مبلغ کے لئے بھی باعث زینت ہے ، اس سے نفرت کرنے اور اسے اتار پھینکنے سے انسان اپنے دور میں ایک اجنبی سی مخلوق نظر آتا ہے ، یہ اجنبیت دوسرے لوگوں کو نامانوس بناتی اور دور سے دور تر کر دیتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ غیر مانوس لوگوں میں تبلیغ کیونکر کارگر ہو سکتی ہے ۔ قرآن مجید میں ہے ۔
وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا (القرآن) ۔ اگر ہم فرشتے کو بھی رسول بنا کر بھیجتے تو اسے انسانی شکل ہی میں بھیجتے ، اس کی وجہ یہی ہے کہ جامۂ بشریت کے بغیر فرشتہ انسانوں میں ایک اجنبی مخلوق نظر آتا ، جس سے فرشتے ہی مانوس ہوتے انسان اس سے دور بھاگتے ، تو اب ہوتا یہ کہ جنہیں ہدایت کی ضرورت نہیں وہ تو مانوس ہوتے مگر جن کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا وہ شکل دیکھتے ہی کوسوں دور بھاگتے تو اس سے بھیجنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ۔ لہذا مبلغ کے لئے بھی ضروری ہے کہ جہاں تک دین اسے اجازت دے اپنے دور کی تہذیبی و تمدنی اقدار کی مخصوص شکل و صورت اپنا لے اور اس امر کے متعلق ذرا بھر شبہ نہ کرے کہ اگر فرشتہ باقی انسانوں کی عبا زیب تن کئے بغیر تبلیغ کے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو مبلغ بھی اپنے دور کے تہذیبی مظاہر سے الگ تھلگ رہ کر کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا ۔
جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر غور کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ آپ نے اپنے دور کے تہذیبی مظاہر کو اپنایا اور ان سے تبلیغ دین میں مدد لی ، اس دور میں اپنے خیالات کے اظہار کے لئے . . . . اپنے قبیلے کی دعوت کا طریقہ رائج تھا ، چنانچہ آپ نے بھی بنی مطلب کی دعوت کی اور دعوت کے بعد انہیں اللہ کا پیغام سنایا ، جس پر سب خاموش رہے تو ایک طرف سے دس پندرہ برس کا ایک نوخیز اٹھا اور انتہائی موثر انداز میں کہنے لگا کہ گو میں نو عمر ہوں اور مجھے آشوب چشم بھی ہے مگر میں آپ کا ساتھ دوں گا ۔
یہ اعلان کرنے والا وہ تھا جس کے متعلق بدر و احد اور خندق و خیبر کے ذرے آج تک گواہی دے رہے ہیں کہ لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار ۔ اس طرح اہل عرب کے ہاں مختلف بازار لگتے تھے جیسے ذوالمجاز ، عکاظ اور ذوالمجنہ وغیرہ ، ان بازاروں میں صرف خرید و فروخت اور کھیل کود ہی نہیں ہوتا تھا ، بلکہ علمی اور ادبی مجلسیں بھی برپا ہوتی تھیں ، جن میں اہل علم اپنے

خیالات و افکار سے لوگوں کو بہرہ ور کرتے ۔ ان مواقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کے سامنے دین اسلام کی تبلیغ فرماتے تھے ۔

اس کے علاوہ حضور مکہ اور طائف کے سرداروں کے ہاں بھی تشریف لے جاتے اور انہیں دین کی تبلیغ کرتے ، اسی طرح جب آپ کو کسی معزز شخص کے مکہ میں آنے کی خبر ہوتی ، تو خود اس کے ہاں تشریف لے جاتے اور تبلیغ کرتے ۔

اہل عرب میں مہمان نوازی ایک قومی شعار تھا ، جب کسی مسافر سے حضور علیہ السلام کی ملاقات ہوجاتی ، تو اُسے بڑے اعزاز سے گھر لاتے ، اور اس کے کھانے ، پینے کا انتظام فرماتے ، اور پھر اُسے دین کی دعوت دیتے ، اسی طرح حج کے موقعہ پر بھی تبلیغ فرماتے ، اور پھر کعبہ اس دور میں بھی عظیم ثقافتی مرکز تھا ، جہاں حج کے علاوہ بھی اجتماع رہتا ، ان اجتماعوں میں بھی آپ تبلیغ فرماتے ۔

تاہم عرب کے جس تہذیبی مظہر میں کوئی غلط پہلو ہوتا ، آپ اس میں سے صرف اچھے پہلو کو لیتے اور غلط پہلو کو ترک کردیتے ، یہ نہیں کہ غلط پہلو کی وجہ سے اس سارے مظہر ہی کو ترک فرمادیں ، چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ نے اپنی قوم کو تبلیغ کے لئے اکٹھا کرنے کا ارادہ فرمایا ، تو کوہ صفا پر چڑھ گئے ، اس وقت طریقہ یہ تھا کہ جب کسی شدید خطرے کا اعلان کرنا ہوتا تو اعلان کرنے والا کسی نمایاں جگہ کھڑے ہوکر زور سے آواز دیتا اور اپنے کپڑے پھاڑ کر ننگا ہوجایا کرتا ۔ لوگ اس کی آواز سنتے ہی اس کی طرف دوڑ پڑتے تھے ۔

اس طریقِ اجتماع میں جہاں تک نمایاں مقام پر اعلان کا تعلق ہے ، وہ تو درست ہے ، لیکن کپڑے پھاڑ کر ننگے ہونے والا پہلو مذموم ہے ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برے پہلو کو چھوڑ دیا ، اور اچھا پہلو اختیار فرمالیا ، چنانچہ اعلان کرکے اپنی قوم کو اکٹھا کیا ، اور انہیں اللہ کا پیغام سنایا ، حضور علیہ السلام کا یہ طرز عمل دین کے مبلغین کے لئے بہترین نمونہ ہے ، جس میں یہ ہدایت ہے کہ مبلغ کو وہ تمام ذرائع استعمال میں لانے چاہئیں جو کسی معاشرہ میں ، آپس میں مل بیٹھنے اور باہمی تبادلۂ خیالات کے لئے مروج ہیں ، یہ طریقے بدلتے رہے ہیں ، پہلے کچھ تھے ، اب کچھ ہیں ، اور مستقبل میں نہ جانے ان کی کیا شکل ہوگی ، مگر اصولی بات یہ ہے کہ اُن میں دین کے خلاف اگر کوئی پہلو ہو تو اُسے ہرگز اختیار نہ کیا جائے ۔

حسن الدین ہاشمی